شہاب نامہ کے فنی مباحث

(فکشن، خاکہ، سوانح عمری، تاریخ کی روشنی میں)

ڈاکٹر رفعت مالک

ABSTRACT:

Generally Qudrat Ullah Shahab's Shahab Nama is placed amongst the auto-biographies yet its craft, style, structure and a blend of reality with imagination arise the question whether we should consider it a biography, an auto-biography, a piece of fiction, sketches or a book on history. This article is an attempt to determine the genre of Shahab Nama by analyzing it in the light of art of fiction, sketch writing, biography and history. The study concludes that Shahab Nama is neither a pure biography, nor a fiction or the history; in fact it is a mixture of all these prose forms.

قدرت اللہ شہاب نے شہاب نامہ میں ایک منفرد اور الگ نوعیت کی آپ بیتی کو جنم دیا ہے۔ شہاب نامہ آپ بیتی کے فکری اور فنی آہنگ میں رنگی ہوئی تصنیف ہے۔ جب ہم آپ بیتی کے فنی مباحث پر بات کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ شہاب نامہ آپ بیتی کی حدود سے تجاوز کر جاتا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ شہاب نامہ ہے کیا؟ آپ بیتی، فکشن، سوانح عمری، تاریخ یا خاکوں کی کتاب۔ آپ بیتی پر بات کریں تو شہاب نامہ میں آپ بیتی کے فنی مباحث سے انحراف برتا گیا ہے۔ فکشن کہیں تو کیا شہاب نے صداقت کے بجائے تخیل سے کام لیا ہے۔ ایسے تو ساری آپ بیتی ہی مشکوک ہو جاتی ہے۔ آپ بیتی میں سچائی اور صداقت کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ فکشن حقیقت اور تخیل کی آمیزش کا نام ہے یوں یہ سوانح عمری بھی معلوم نہیں ہوتی لیکن شہاب نے سوانح عمری کے چند عناصر کا عمدہ استعمال کیا ہے۔ پھر کیا ہم اسے تاریخ کی کتاب کہیں گے؟ اگر تاریخی دستاویز قرار دیں تو ابتدائی ابواب میں افسانوں کا سا انداز کہاں سے آ گیا؟ اگر خاکہ نگاری کا نام دیں تو تاریخی حوالے دینے کی

کیا وجہ بنتی ہے؟ آخر **شہاب نامہ** کیا ہے؟

شہاب نامہ قدرت اللہ شہاب کی آپ بیتی ہے۔ شہاب بہ طور افسانہ نگار اپنی اہمیت منوا چکے تھے اس لیے افسانہ نگار شہاب ہمیشہ شہاب کے ساتھ رہے۔ قدرت اللہ شہاب افسانہ نگار شہاب سے دامن نہ چھڑا سکے یہی وجہ ہے کہ قدرت اللہ شہاب نے جب **شہاب نامہ** لکھنا شروع کیا تو افسانہ نگار شہاب نے بھی ساتھ قلم پکڑ لیا اور فکشن کے کچھ عناصر کی آپ بیتی میں آمیزش کر دی۔ تحقیق کے مطابق دیکھا جائے تو قدرت اللہ شہاب نے **شہاب نامہ** میں فکشن کے چند عناصر سے بھرپور کام لیا ہے۔ **شہاب نامہ** کا اسلوب خاصا افسانوی معلوم ہوتا ہے۔ زبان و بیان افسانوی طرز کا حامل ہے۔ منظر نگاری اور جزئیات نگاری کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ فکشن نگار کی طرح تخیل سے بھی استفادہ کیا ہے۔ **شہاب نامہ** کے کچھ ابواب ایسے ہیں جنھیں اگر شہاب افسانے کے طور پر شایع کر دیتے ہیں تو وہ افسانہ نگاری کے تمام لوازمات پر پورے اترتے۔ ابتدائی ابواب میں افسانہ نگاری کا بھرپور اظہار ہوا ہے۔ اگر ہم ان ابتدائی ابواب کو شہاب کے حقیقی واقعات تصور کرتے ہوئے صرف آپ بیتی کا حصّہ قرار دے بھی دیں تو ''نندہ بس سروس، چندراوتی اور بملا کماری کی بے چین روح ایسے ابواب ہیں جو افسانے کے طور پر طبع ہو چکے تھے۔ اگر وہ افسانے ہیں تو شہاب نے ان کو **شہاب نامہ** میں کیوں جگہ دی۔ یہی وہ مقام ہے جب **شہاب نامہ** حقیقت اور افسانے کے درمیان سفر کرنے لگتا ہے۔

شہاب نامہ کے فنی مباحث کا مطالعہ و تجزیہ کریں تو فکشن سرفہرست ہے۔ پلاٹ، اختصار، وحدت تاثر، بیانیہ انداز، افسانوی اسلوب، کردار، واقعات، منظر کشی، تخیل اور موضوع **شہاب نامہ** میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ کچھ موضوعات ایسے ہیں جو افسانوی سحر کے حامل ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض ناقدین اسے ناول قرار دیتے ہیں۔ رشید امجد، شہاب نامہ میں فکشن کی آمیزش کی تائید کرتے ہوئے اپنا نقطہ نظر یوں بیان کرتے ہیں:

> ''میرے نزدیک یہ ایک خودسوانحی ناول ہے جس کا سب سے اہم پہلو اس کی فکشنل ترتیب ہے۔ یہ صرف ایک خودنوشت نہیں کہ خودنوشت میں داستانی عناصر نہ تو اتنی خوبی اور فراوانی کے ساتھ شامل ہوتے ہیں اور نہ تکنیکی طور پر اُن کا آغاز اور اختتام ہوتا ہے۔ ان واقعات کے خود نوشت ہونے کا جواز صرف ''واحد متکلم'' کی حد تک ہی محدود ہے، ورنہ واقعات کا پھیلاؤ، ان کی فنی تراش خراش اور سب سے بڑھ کر اسلوب اور اندازِ بیاں انھیں ایک بڑے ناول کا درجہ عطا کرتے ہیں۔ خاص طور پر وہ حصّے یا ابواب، جہاں نظریاتی بحث سے ہٹ کر واقعات خارج اور باطن دونوں دنیاؤں کے درمیان وجود پاتے ہیں، ایک خاص طرح کی جذباتی شمولیت سے اعلیٰ درجہ کا فکشن بن گئے ہیں ......فنی طور پر اس کی سب سے بڑی خوبی اور پہچان ان واقعات و حادثات کو فکشن کی ترتیب میں لانا اور فکشن کی زبان میں بیان کرتا ہے''۔ (۱)

فکشن کی بات کریں تو ناول اور افسانہ دونوں مراد لیے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض ناقدین اسے ناول اور بعض افسانہ قرار دیتے ہیں۔ **شہاب نامہ** میں تخیل کا عنصر شامل ہے۔ متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں قدرت اللہ

شہاب نے حقیقت سے زیادہ تخیل کا رنگ پیدا کیا ہے یوں یہ آپ بیتی فکشن کے نزدیک ہو جاتی ہے۔ آپ چوتھی جماعت کے طالب علم کا عروج دیکھیں کہ قدرت اللہ شہاب اپنے دینیات کے استاد کی نئ نویلی دلہن پر عاشق ہو جاتے ہیں۔ چھوٹی سی عمر میں انھیں عشق و محبت کی داخلی کیفیت کا ادراک حاصل ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے صادقہ بیگم کو دوپٹہ دینے کا ارادہ کیا تو انھیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کون سا رنگ منتخب کریں۔ اب آپ چوتھی جماعت کے قدرت اللہ شہاب کا رومانوی اندازِ تخیل ملاحظہ کیجیے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ قدرت اللہ شہاب میں بچپن ہی سے افسانہ نگاری کا رجحان پایا جاتا تھا۔

''عنابی، گلابی، فیروزی، کاسنی، انگوری، بسنتی ___ ایک ایک کر کے بہت سے رنگ میرے پردۂ خیال پر لہرائے۔ کوئی رنگ ایسا نہ تھا جو صادقہ بیگم پر پھول کی طرح کھلتا نہ ہو''۔ (۲)

مذکورہ بالا اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ **شہاب نامہ** میں فکشن کا عنصر (تخیل) غالب ہے۔ **شہاب نامہ** میں فکشن کی ایک اور شہادت افسانوی اندازِ تحریر ہے۔ **شہاب نامہ** افسانوی اسلوب کا غماز ہے۔ مندرجہ ذیل مقامات پر قدرت اللہ شہاب کا افسانوی انداز ملاحظہ کیجیے:

''اس کی آنکھوں میں جو نیلی نیلی مخمل سی بچھی تھی، اس پر آنسو پھیل گئے۔ جس طرح شبنم کے قطرے چوٹ کھا کر ٹوٹ جاتے ہیں۔ اس نے دوپٹے کے پلو سے آنسو پونچھے اور اپنے مہندی رنگے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگی۔ اس نے اخروٹ کی چھال سے دانت صاف کیے ہوئے تھے اور اس کے پتلے پتلے ہونٹ سرخی سے گلنار ہو رہے تھے۔ اس کے چہرے پر سونے اور چاندی کے ورق ہی ورق بکھرے ہوئے تھے جیسے وہ ابھی بیسن اور دہی اور دودھ سے نہا کر بیٹھی ہو، دعا کے بعد اس نے مولوی صاحب پر دم کیا۔ کالے ریشم کا برقع یوں اوڑھا جیسے گڑیا کو فراک پہنایا جاتا ہے''۔ (۳)

''دیکھتے ہی دیکھتے اس کا چہرا سنار کی کٹھالی میں گلتے ہوئے سونے کی طرح پگھل گیا اور بستر پر لیٹے لیٹے اس کا تن بدن اس طرح گھلنے لگا جیسے پانی کے گلاس میں پڑی ہوئی مصری کی ڈلی اپنے آپ ریزہ ریزہ ہو کر تحلیل ہونے لگتی ہے''۔ (۴)

''اس وقت یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ آئی کہ یہ نظام بت کا گھروندا ہے جو ایوب خان کی صدارت ختم ہوتے ہی دھڑام سے گر جائے گا۔ جمہوریت بڑی غیرت مند اور حاسد دلہن ہے۔ اس کے اوپر سوکن کا سایہ بھی پڑ جائے تو یہ گھر بار جلا کر خاکستر کر دیتی ہے''۔ (۵)

قدرت اللہ شہاب نے نہ صرف افسانوی اسلوب برتا ہے بل کہ کرداروں اور واقعات میں بھی افسانوی سحر پایا جاتا ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے اپنے استاد مولوی عبدالحنان کا سراپا یوں بیان کیا ہے کہ وہ افسانوی کردار معلوم ہوتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''سکول میں مولوی عبدالحنان ہمارے اردو اور دینیات کے جواں سال استاد تھے۔ بڑے خوش

مزاج، بذلہ سنج اور مہربان ۔ گورا رنگ، تیکھا ناک نقشہ، سنہری فرنچ کٹ ڈاڑھی، نرم نرم مترنم آواز، دیدہ زیب خوش قطع لباس۔ ان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ سبق پڑھاتے پڑھاتے وہ وقتاً فوقتاً اچانک خاموش ہو جاتے تھے اور آنکھیں بدن کر کے جھوم جھوم کر فرمایا کرتے تھے۔'' سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ زندگی بھی عجیب نعمت ہے''۔ (۶)

قدرت اللہ شہاب نے صرف عبدالحنان کا سراپا ہی افسانوی تکنیک میں پیش نہیں کیا۔ انھوں نے دیگر اور اہم کرداروں کی پیش کش بھی افسانوی رنگ میں کی ہے۔ ''چندر واتی'' کا کردار افسانویت میں ڈوبا ہوا ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے چندرواتی کا کردار یوں پیش کیا ہے کہ اسلوب بھی افسانوی ہے۔ قاری اس کردار کی پیش کش میں افسانویت کو سراہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے شہاب نامہ میں'' چندراوتی'' کا تعارف یوں کروایا ہے:

''رنگت میں وہ سونے کی ڈلی تھی اور جلد اس کی باریک موی کاغذ تھی جس کے آر پار نگاہ جاتی بھی ہے اور نہیں بھی جاتی ۔ اس کی گردن میں چند باریک باریک نیلی رگوں کی خوش نما پچی کاری تھی اور جب وہ پانی پیتی تھی تو اس کے گلے سے گزرتا ہوا ایک ایک گھونٹ دور سے گنا جا سکتا تھا''۔ (۷)

قدرت اللہ شہاب کی تحریر میں وقت کے ساتھ ساتھ پختگی اور ندرت آئی ہے۔ افسانہ'' چندرواتی'' میں چندرواتی کا کردار اتنا جان دار نہیں لگتا جتنا شہاب نامہ کے باب'' چندرواتی '' میں معلوم ہوتا ہے۔ فکشن کا مطالعہ کرنے والا افسانہ''چندراوتی'' پڑھ کر اتنا لطف کشید نہیں کرتا جتنا شہاب نامہ کا باب''چندرواتی'' پڑھ کر خوشی محسوس کرتا ہے۔ شہاب نامہ میں''چندرواتی'' والا باب افسانے کے فنی وفکری لوازمات کو زیادہ اور آپ بیتی کے فن کو کم پیش کرتا ہے۔ قدرت اللہ شہاب کو افسانہ نگار قرۃ العین حیدر سے انسیت تھی، انھوں نے قرۃ العین حیدر کو شادی کا پیغام بھیجا لیکن قرۃ العین حیدر نے انکار کر دیا۔ شہاب نامہ میں قدرت اللہ شہاب نے اس واقعے کا کہیں کوئی ذکر نہیں کیا۔ ہاں البتہ پاکستان رائٹرز گلڈ والے باب میں مارشل لا کے نافذ ہونے کا تذکرہ قرۃ العین حیدر سے شروع کیا ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے قرۃ العین حیدر کا کردار یوں پیش کیا ہے:

'' وہ کوئی باغیانہ خیالات کی لڑکی نہ تھی اور نہ ہی اس کے قلم کی روشنائی میں تخریب پسندی، فحاشی، تلخی اور بے راہ روی کی کالک تھی۔'' میرے بھی صنم خانے'' کی مصنفہ زندگی کی چلبلاہٹوں، ہلکی پھلکی رنگینیوں، رعنائیوں، فلرٹیشنوں، ثقافتی تصادموں، سماجی بوکھلاہٹوں اور دل اور دماغ کی فسوں کاریوں میں کچھ حقیقی، کچھ افسانوی، کچھ رومانوی رنگ بھرنے کی ملکہ تھی لیکن سنسرشپ کے تخیل ہی سے اس کو بڑا شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ کچھ عجب نہیں، اسی جھٹکے کے ردعمل نے اس کے قلم کی باگ'' آگ کا دریا'' کی طرف موڑ دی ہو''۔ (۸)

قدرت اللہ شہاب نے بعض واقعات ایسے بھی بیان کیے ہیں جن میں افسانویت عود آئی ہے۔ صادقہ بیگم

والے قصّے میں بھی افسانویت ہے۔ اب ہم قدرت اللہ شہاب اور چندراوتی کے درمیان مختصر سی گفتگو کا تجزیہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں عشق و محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ان کے مکالمے جان دار اور حقیقت پر مبنی ہیں، ان مکالموں کو پڑھتے ہوئے ایک عمدہ افسانہ نگار منظر عام پر آ جاتا ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے چندراوتی کو کچھ پیسے بھیجے جو چندراوتی نے واپس کر دیے، قدرت اللہ شہاب نے ایمن آباد پہنچ کر چندراوتی سے پیسے واپس کرنے کی وجہ دریافت کی، اس موقع پر چندراوتی کا محبت آمیز جواب ملاحظہ کیجیے:

''منی آرڈر کیوں کیا تھا؟'' چندراوتی نے تنک کر کہا۔'' خود کیوں نہیں لائے؟''
''خود کیسے لاتا؟'' میں نے جواب دیا۔'' تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ چھٹیوں میں یہاں نہ آؤں، تمھارے کام میں ہرج ہوتا ہے''۔
''ہائے رام''۔ چندراوتی نے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔'' تم میری ہر بات کو سچ کیوں مان بیٹھتے ہو؟'' (۹)

مذکورہ بالا تمام شواہد یہ ثابت کرتے ہیں کہ قدرت اللہ شہاب نے **شہاب نامہ** میں کرداروں، اسلوب اور واقعات میں افسانویت کا خاصا اہتمام کیا ہے۔ **شہاب نامہ** میں افسانویت کی تائید کرتے ہوئے ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

'' **شہاب نامہ** اردو کی ایک مشہور و مقبول خود نوشت سوانح ہے۔ اس کی شہرت و مقبولیت کا ایک اہم سبب اس کی'' افسانویت'' ہے۔ یہ افسانویت واقعات میں بھی ہے اور اسلوب میں بھی اور قدرت اللہ شہاب کی شخصیت میں بھی!'' (۱۰)

'' شہاب نامہ'' میں تخیل، موضوع، مواد، کردار، واقعات، مکالمے اور اسلوب ہی فکشن کو ترتیب نہیں دیتے بل کہ منظر نگاری بھی عمدہ فکشن نگاری کا ثبوت ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے ایسے مناظر تخلیق کیے ہیں کہ آپ بیتی کے بجائے افسانہ نگاری کا فن عروج پر نظر آتا ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے'' نندہ بس سروس'' کے سفر میں ڈرائیور نے پانی بدلنے کے لیے جس چشمہ پر پڑاؤ کیا، اس کے اردگرد کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

'' سڑک کے کنارے ایک چھپر میں حلوائی اور سوڈا واٹر کی دکان تھی۔ ایک تھال میں باسی پکوڑے تھے جن پر کچھ مکھیاں بے دلی سے منڈلا رہی تھیں۔ دوسرے تھال میں لڈو تھے۔ جن پر سری نگر بانہال روڈ کی گرد اس قدر تہہ در تہہ جمی ہوئی تھی کہ ان پر مکھیوں نے بھی بھنبھنانا چھوڑ دیا تھا۔ لکڑی کے برادے میں لت پت برف کی سل ایک میلے سے ٹاٹ میں لپٹی ہوئی تھی اور لیمونیڈ کی بہت سی بوتلیں بے ترتیبی سے سامنے پڑی تھیں''۔ (۱۱)

قدرت اللہ شہاب نے باب''بملا کماری کی بے چین روح'' میں ۱۸ سول لائن کی جس کوٹھی میں رہائش اختیار کی، اس کوٹھی میں ہونے والی عجیب و غریب حرکات و سکنات سے پہلے قدرت اللہ شہاب نے اس کوٹھی کا بڑا واضح نقشہ بیان کیا ہے:

''یہ ایک ہلکے زرد رنگ کی چھوٹی سی خوش نما کوٹھی تھی جس کے اردگرد ڈیڑھ دو ایکڑ کا وسیع و عریض لان پھیلا ہوا تھا۔ لان میں گھٹنوں گھٹنوں تک اونچی گھاس اُگی ہوئی تھی اور چاروں طرف سوکھے ہوئے کالے پیلے پتوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ جابجا سوکھے ہوئے اور تازہ گوبر پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ ایک طرف جامن اور آم کے کچھ پیڑ تھے جن کے نیچے بلیاں اور کتے وقتاً فوقتاً اپنی مخصوص آواز میں رویا کرتے تھے۔ دوسری طرف پیپل کا پرانا درخت تھا، جس کی شاخوں سے بے شمار کالی کالی، بھوری بھوری چمگاڈریں اُلٹی ٹنگی رہتی تھیں۔ کوٹھی کے عقب میں ایک کچا تالاب تھا جس کے پانی پر سبز کائی کی دبیز تہہ جمی ہوئی تھی اور کناروں پر مینڈکوں، جھینگروں اور دوسرے کیڑوں مکوڑوں کا جم غفیر موجود رہتا تھا''۔ (۱۲)

قدرت اللہ شہاب نے بہ طور ڈپٹی کمشنر جھنگ کا چارج لیا تو ڈاک بنگلے میں بیرے سے چائے طلب کی۔ قدرت اللہ شہاب نے چائے کی اتنی عمدہ منظر کشی کی ہے کہ طنز و مزاح کا ملا جلا رجحان غالب نظر آتا ہے۔ لکھتے ہیں:

''ڈرائنگ روم میں چائے کم تھی اور مرغ زیادہ تھے۔ ایک قاب میں مرغِ مسلم تھا۔ دوسری میں مرغِ روسٹ تھا۔ ایک پلیٹ میں چکن سینڈوچ تھے۔ کچھ طشتریاں مٹھائیوں سے بھری رکھی تھیں۔ دائیں بائیں پیسٹری کے ڈبے تھے اور ان سب کے درمیان جملہ معترضہ کے طور پر کچھ چائے بھی موجود تھی۔ چائے کا سیٹ چمک دار سلور کا بنا ہوا تھا اور چائے دانی پر مالک کا نام اور پتہ نقش کیا ہوا تھا۔ یہ بزرگ پیشے کے لحاظ سے پیر، خاندانی لحاظ سے رئیس اور نسلاً سیدزادے تھے۔ چناں چہ ان کے نام کے ساتھ یہ ساری صفات چائے دانی پر کندہ تھیں''۔ (۱۳)

شہاب نامہ میں مذکورہ بالا فکشن کے وہ عناصر ہیں جو آپ بیتی کے لیے کسی طور پر موزوں نہیں یہی وجہ ہے کہ شہاب نامہ آپ بیتی کے فنی معیار سے کم اور فکشن کے زیادہ قریب ہے۔ فریدہ نذیر شہاب نامہ میں واقعات اور کرداروں کی پیش کش کے حوالے سے لکھتی ہیں:

''واقعات اور کرداروں کی ترتیب و پیش کش کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مواد کی تنظیم اور فنی مقصد کے اعتبار سے شہاب نامہ آپ بیتی کی روایت سے بہت مختلف ہے اور فکشن کی روایت سے مماثل ہے''۔ (۱۴)

شہاب نامہ، فکشن کے فنی مباحث کے علاوہ خاکہ نگاری کے حوالے سے بھی بحث طلب ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے اکثر شخصیات کا تعارف اس انداز سے کروایا ہے کہ خاکہ نگاری کا فن معراج پر نظر آتا ہے۔ خاکہ کے لیے جن بنیادی عناصر کی ضرورت ہوتی ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے ان سے بہ خوبی استفادہ کیا ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جہاں آپ بیتی، خاکہ نگاری کی جانب گامزن دکھائی دیتی ہے۔ مشفق خواجہ شہاب نامہ میں خاکہ نگاری کے فن کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کتاب کے ذریعے شہاب صاحب ایک عظیم خاکہ نگار اور ایک

عظیم تر افسانہ نگار کی صورت میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ شہاب نامہ کے صفحات پر بے شمار شخصیات ہمارے سامنے آتی ہیں۔ اگر شخصیات کے تذکروں کو الگ کر لیا جائے تو شخصی خاکوں کا ایک نہایت عمدہ مجموعہ تیار ہو سکتا ہے۔ شہاب صاحب کی خوبی یہ ہے کہ وہ کسی بھی شخصیت کے ظاہر ہی کو نہیں دیکھتے، باطن میں بھی جھانکتے ہیں اور جہاں وہ طنز و مزاح سے کام لیتے ہیں یا ذاتی پسند کو معیار بنا کر لکھتے ہیں تو متعلقہ شخصیت کا حسن کچھ اور نکھر جاتا ہے''۔ (۱۵)

قدرت اللہ شہاب کے جن اشخاص کے ساتھ تعلقات تھے، ان کا احوال بیان کرتے ہوئے قدرت اللہ شہاب نے خاکہ نگاری کے مختلف عناصر سے کام لیا ہے۔ سراپا نگاری، حلیہ نگاری اور شخصی و کرداری خدو خال جیسے پہلوؤں کو بروئے کار لایا گیا ہے۔ خاکہ نگاری کے لیے شخصیت کا احوال اہمیت رکھتا ہے۔ خاندان اور دیگر امور کی معلومات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ شخصیت کا خاکہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ آپ بیتی اور سوانح عمری کے سوا کوئی تحریر لگے۔ خاکہ نگار ایسا خاکہ پیش کرتا ہے کہ شخصیت کے چیدہ چیدہ صفحات سے شخصیت (کردار اور حلیہ) کا بھرپور تاثر سامنے آ جائے۔ آپ بیتی نگار کو اپنی شخصیت کو سامنے لانے کے لیے داخلی اور خارجی واقعات کو کھول کر سامنے لانا پڑتا ہے۔ اصل حقائق اور واقعات کی نشان دہی کرنا پڑتی ہے۔ خاکہ نگار زیرِ تحریر شخصیت پر مختصراً بات کرنے پر حق بہ جانب ہوتا ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے بعض شخصیات کا تذکرہ اس طرح کیا ہے کہ عمدہ خاکہ نگاری کا ثبوت ملتا ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے غلام عباس کی شخصیت کا خاکہ یوں بیان کیا ہے:

''چودھری غلام عباس کی شخصیت اور سیاست صدق، خلوص، دیانت اور امانت کا مرقع تھی۔ ان کی آنکھوں میں عقاب کی تیز نگاہی تھی اور دل میں جذبات کی طغیانی۔ اسلام پر ان کا صرف ایمان ہی نہ تھا بل کہ عملی زندگی میں بھی وہ بڑے سحر خیز، عبادت گزار اور قلندر صفت مومن تھے۔ اسلام کے بعد ان کا دوسرا جزوِ ایمان پاکستان تھا۔ مسلمانانِ کشمیر کے دل میں پاکستان کے ساتھ وابستگی کا عقیدہ راسخ کرنے کا سہرا سب سے زیادہ انھی کے سر ہے''(۱۶)

قدرت اللہ شہاب کے خاکوں کا اہم عنصر حلیہ نگاری ہے۔ انھوں نے بھاگلپور کے بیرسٹر نور الحسن کا خاکہ اس طرح احاطہ تحریر میں لیا ہے کہ حلیہ نگاری کو کلیدی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ لکھتے ہیں:

''یہ چھوٹے قد کے فربہ اندام گول مٹول بزرگ تھے۔ انھوں نے ہلکا نیلا سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔ جس کی پتلون ان کے بھاری بھرکم پیٹ پر یوں تنی ہوئی تھی جیسے کسی مٹکے کے پیندے پر ایک تنگ تنگ سا غلاف چڑھا یا ہوا ہو۔ ان کی پھول دار بوٹائی گردن کے ڈھیلے ڈھالے گوشت کی جھریوں میں دبی ہوئی تھی اور ان کی تیز سرخ رنگ کی ترکی ٹوپی کا موٹا سا کالا ریشمی پھندنا۔ گردن کی ہر جنبش کے ساتھ گھڑی کے پنڈولم کی طرح رقص کرتا تھا۔ بیرسٹر صاحب نے اپنی سفید گھنی مونچھوں کو فکسو کے ساتھ تاؤ دے کر سیٹ کیا ہوا تھا اور وہ ان کے دونوں گالوں پر

ننگی سنگینوں کی طرح ایستادہ تھیں‘‘۔(۱۷)

قدرت اللہ شہاب نے چند ایسے اشخاص کو بھی خاکے کا موضوع بنایا ہے جن میں خاکہ نگاری کے پہلو (حلیہ، کردار) شخصیت دونوں کا مختصراً بیان شخصیت کا واضح تاثر ابھارتا ہے۔ اس ضمن میں سید الطاف حسین شاہ کا خاکہ بڑے بھرپور خاکے کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے:

’’درمیانہ قد چھجے دار کھچڑی ڈاڑھی، کلف سے تازہ دم طرّے والی ٹوپی۔ چست اچکن۔ اس کے نیچے وضع دار تو ند۔ تنگ پائنچوں کی سفید شلوار۔ کمر کے گرد اپنے عہدے کی پیٹی۔ کندھے پر شالی رومالی آنکھوں میں جلالی قسم کی سرخی۔ چہرے پر خشونت گزیدہ سی متانت ......سید الطاف حسین شاہ پر نظر پڑتے ہی یوں لگتا تھا جیسے کوئی ہزاری دو ہزاری درجے کا سردار ابھی ابھی کسی مغلیہ دربار سے عتابِ شاہی کا پروانہ لے کر برآمد ہوا ہو۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ نے کبھی بھول کر بھی گزر نہ کیا تھا۔ گفتگو میں بھی اس کا انداز درباری، الفاظ ثقیل اور لہجہ گرج دار ہوتا تھا‘‘۔ (۱۸)

شہاب نامہ، میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے خاکے میں کردار اور شخصیت کے خدوخال اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔ ان کی خوبیوں اور کمزوریوں کا ادراک حاصل ہوتا ہے۔ شہاب نے غیر ضروری تفصیلات سے اجتناب برتا ہے۔ انھوں نے شخصیت کے داخلی اور خارجی حقائق کو مختصراً الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔ قدرت اللہ شہاب، مہاراجہ پرتاپ سنگھ کا ذکر خیر کرتے ہوئے چاہتے تو ان کی خامیوں کی چشم پوشی اور خوبیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کر دیتے یوں وہ صداقت اور دیانت داری کا تقاضا پورا نہ کر پاتے۔ قدرت اللہ شہاب نے سچائی اور پوری ایمان داری سے پرتاپ سنگھ کے کردار کا وہی نقشہ کھینچا ہے جیسے ان کو دیکھا:

’’مہاراجہ پرتاپ سنگھ انتہائی کایاں اور ’’دیوانہ بکار خویش ہوشیار‘‘ قسم کا انسان تھا۔ اسے افیون کھانے کی لت تھی جس کی وجہ سے وہ دن بھر خمار آلود غنودگی کی کیفیت میں مبتلا رہتا تھا۔ اس صورتِ حال کو ڈھال بنا کر وہ اپنی ذات پر ایک مصنوعی مخبوط الحواسی، بے بناوٹی اور کسی قدر احمقانہ حد تک سادگی کا لبادہ اوڑھے رکھتا تھا لیکن اس ملمع کاری کے پیچھے وہ انتہائی چالاک، ہوشیار اور دوررس سمجھ بوجھ کا مالک تھا۔ انگریزوں کے ساتھ وہ اپنے تعلقات انتہائی استوار رکھتا تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ سادگی اور درویشی کا ڈھونگ رچا کر وہ ان کے خلاف ظلم واستبداد کے سارے قوانین کو مضبوط سے مضبوط تر کرتا رہتا تھا اور اپنی حکمتِ عملی سے ڈوگرہ خاندانوں کو ریاست میں سیاہ وسفید کا مالک بنانے میں کمال ہوشیاری سے کام لیتا تھا‘‘۔ (۱۹)

مذکورہ بالا اقتباس میں قدرت اللہ شہاب نے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی شخصیت کا خاکہ پیش کیا ہے۔ بعدازاں قدرت اللہ شہاب نے جب انھیں کرکٹ کے میدان میں کھیلنے کے لیے جس حلیے میں دیکھا، اس کو بھی ٹھیک اسی طرح بیان کر دیا ہے:

''اس کے سر پر ایک سفید ٹوکرا نما ڈھیلی ڈھالی پگڑی تھی جس کی پیشانی پر سامنے کی طرف اور دائیں بائیں ہیرے جواہرات سے جگ مگ کرتی ہوئی چھوٹی چھوٹی کلغیاں تھیں۔ گلے میں رنگ بہ رنگ موتیوں کے بہت سے ہار تھے۔ گھٹنوں تک لمبا نیلے رنگ کا انگلش کٹ کوٹ تھا۔ نیچے سفید پتلون اور سفید بوٹ تھے۔ اس ہیئت کذائی کا ایک گول مٹول اور ٹھگنا سا شخص جب بیٹ گھماتا ہوا وکٹ کے سامنے آکر ایستادہ ہو گیا تو ایسے نظر آتا تھا کہ مکی ہاؤس کا رنگین کارٹون کسی کتاب کے صفحے سے بھاگ کر امر سنگھ کلب سری نگر کے سبزہ میں آکھڑا ہوا ہے!''۔ (۲۰)

قاہرہ میں قدرت اللہ شہاب کی ملاقات فرازونی سے ہوئی۔ اس نے شہاب کو اپنے گھر چائے کی پیش کش کی جسے قدرت اللہ شہاب نے قبول کر لیا۔ فرازونی نے شہاب کو اپنے والد اور والدہ سے ملوایا۔ قدرت اللہ شہاب نے فرازونی کے والد سے ملاقات کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے ایک عمدہ خاکہ تخلیق ہوا ہے جس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فرازونی کے باپ کو جادوگری اور عملیات میں دل چسپی تھی۔ قدرت اللہ شہاب نے فرازونی کے باپ کے خاکے میں ان کی عمر، حلیہ، اردگرد کا ماحول اور ان کے پیشے سے متعلق مختصراً معلومات اس طرح بہم پہنچائی ہیں کہ فرازونی کے باپ کا ایک نقش سامنے آجاتا ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے فرازونی کے باپ کا خاکہ یوں بیان کیا ہے:

''ایک نیم تاریک کمرے میں ساٹھ پینسٹھ سال کے ایک بزرگ گاؤ تکیہ لگائے قالین پر بیٹھے تھے۔ ان کا رنگ گندھے ہوئے میدے کی طرح سفید اور ملائم تھا۔ ان کی ڈاڑھی سنہری اور فرنچ کٹ تھی اور ان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک اور سرخی جھلک رہی تھی۔ دیوار کے ساتھ بہت سے اونچے گل دان تھے۔ جن میں نیم سوختہ اگر بتیوں کی قطار لگی ہوئی تھی۔ دیواروں پر فلکیات کے نقشے اور اجرام فلکی کی تصاویر آویزاں تھیں۔ سامنے ایک تپائی پر بہت سی جنتریاں اور کچھ کرۂ ارض کے گلاب اور چند اصطرلاب پڑے تھے''۔ (۲۱)

قدرت اللہ شہاب نے بہ طور آئی سی ایس افسر عملی زندگی کا آغاز کیا۔ بعدازاں بہ طور سی ایس پی افسر اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز رہے، گورنر جنرلوں اور صدور پاکستان کے سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیے۔ دورانِ ملازمت قدرت اللہ شہاب کی ملاقات مختلف حضرات سے ہوتی رہتی تھی۔ **شہاب نامہ** کے صرف ان مرکزی کرداروں کی فہرست تیار کی جائے تو اس لمبی چوڑی فہرست کے کرداروں کا تجزیہ احاطہ تحریر میں لانا مشکل دکھائی دیتا ہے۔ اگر ضمنی کرداروں کو شمار کیا جائے تو صورت حال سے آپ بہ خوبی آگاہ ہو سکتے ہیں، اسی وجہ سے ہم نے صرف ان چیدہ چیدہ شخصیات کو منتخب کیا ہے جو خاکہ نگاری کا نمونہ ہیں۔ وزیر اعظم مینڈریس کا خاکہ یوں پیش کیا ہے:

''وزیر اعظم مینڈریس بڑے ہنس مکھ، خوش مزاج اور خوش اخلاق انسان تھے۔ ان کی پُرکشش شخصیت میں اعتدال، اعتماد اور عجز کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ بڑے دھیمے لہجے میں بات کرتے تھے اور چھوٹے سے چھوٹے آدمی کے ساتھ گفتگو کے دوران بھی ان کی گردن میں

تواضع کا ہلکا سا خم آجاتا تھا''۔ (۲۲)

قدرت اللہ شہاب نے شہاب نامہ میں جہاں فکشن اور خاکہ کے بنیادی عناصر سے کام لیا ہے وہاں شہاب نامہ سوانح عمری کے فن سے بھی قریب ہے۔سوانح عمری پیدائش سے موت تک کے احوال پر مشتمل ہوتی ہے۔قدرت اللہ شہاب نے پیدائش سے موت تک کو احاطہ تحریر میں نہیں لیا لیکن آغاز اس طرح سے کیا ہے کہ سوانح عمری کے ابتدائی نقوش کی جھلک نظر آتی ہے۔ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ شہاب نامہ میں سوانح عمری کا فن پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہے۔ ہاں ہمیں یہ اعتراف کرنے میں تامل نہیں کہ قدرت اللہ شہاب نے شہاب نامہ میں سوانح عمری کے چند پہلوؤں سے استفادہ کیا ہے اسی وجہ سے شہاب نامہ آپ بیتی کے فنی معیار سے گرنے کا باعث بنا۔مثال کے طور پر شہاب الدین (بابا صاحبا) کا تفصیلی ذکر اور پھر اس کی چوتھی نسل چودھری مہتاب کا تذکرہ غیر ضروری تفصیلات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔قدرت اللہ شہاب نے چمکور صاحب میں خانقاہ کے بارے میں بتاتے ہوئے بابا صاحبا کی کرامات اور کسب معاش سے آگاہ کیا ہے۔ بابا صاحبا کو گرو صاحب نے اپنی جان بچانے کے صلے میں زمین تحفہ میں دی، بابا صاحبا نے اسے حرام قرار دیتے ہوئے واپس کر دی۔اس احسان کا بدلہ چکانے کے لیے بابا صاحبا نے چمکور صاحب میں سور کا گوشت نہ لانے کی درخواست کی جسے گرو صاحب نے قبول کر لیا۔ چمکور صاحب میں آنے اور جانے والی برات کا بابا صاحبا کی خدمت میں حاضر ہونا اور کچے چاولوں میں شکر ملا کر بابا صاحبا کا ایک ایک مٹھی براتیوں میں تقسیم کرنا عجیب سی رسم تھی لیکن ہندو،سکھ اور مسلمان سبھی اس رسم کو متبرک سمجھتے تھے۔ بابا صاحبا کی وفات کے بعدان کے مزار پر براتی کچے چاولوں میں شکر ملا کر مزار پر پھینکتے اور دوبارہ اٹھا کر براتیوں میں تقسیم کرنا نیک عمل سمجھتے، بچے ہوئے چاولوں کو کبوتر چگ لیتے، کبوتروں کی اس عقیدت مندی کے باعث چمکور صاحب میں کبوتروں کا شکار حرام قرار دے دیا گیا۔ بابا صاحبا کی کرامات یہاں پر ختم نہیں ہوتیں،مزید کرامات کا انکشاف چودھری مہتاب دین کا مفصل بیان، اس کی عیاشی سے شہادت کے واقعات کا کئی صفحات پر ذکر غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔اس مقام پر شہاب نامہ آپ بیتی کے زمرے سے باہر نکل کر بابا صاحبا اور چودھری مہتاب دین کی سوانح عمری کی مختصر جھلک لگتا ہے۔

قدرت اللہ شہاب جب پاکستان کی وزارت تجارت میں انڈر سیکرٹری مقرر ہوئے اور کراچی میں عہدہ کا چارج لینے کا حکم ملا تو ان پر ہندو وزیراعلیٰ شری ہری کرشن مہتاب کی منفی سوچ کا ادراک ہوا۔اس موقع پر شہاب نے کانگرس حکومت کا نقشہ بیان کرنے کے لیے کے۔ایل گابا کی کتاب''Passive voices'' کا ذکر کیا ہے۔ کے۔ایل گابا کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہوئے قدرت اللہ شہاب نے ابتدائی الفاظ ہی ایسے استعمال کیے ہیں کہ سوانح عمری کی ابتدائی شکل سامنے آتی ہے:

> ''کے۔ایل گابا کا پہلا نام کنہیا لال گابا تھا۔وہ پنجاب کے ایک انتہائی متمول خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ انھوں نے بچپن ہی سے انگلستان میں تعلیم پائی۔ بیرسٹری کرنے کے بعد انھوں نے لاہور ہائی کورٹ میں پریکٹس شروع کردی۔ وہ انگریزی زبان کے بڑے صاحبِ

طرز انشا پرداز تھے اور تیس سے زیادہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی کئی کتابیں بین الاقوامی شہرت کی حامل ہیں۔

مسٹر گابا نے ۱۹۳۳ء میں اسلام قبول کر لیا۔ اس وقت ان کی عمر تیس سال سے کم تھی۔ ان کا اسلامی نام خالد لطیف گابا رکھا گیا۔ اس خبر نے چاروں طرف تہلکہ مچایا۔ قبول اسلام کے بعد مسٹر گابا نے سیرت النبیؐ پر اپنی مشہور کتاب The prophet of the Desert لکھی جو آج تک بہت سے حلقوں میں شوق سے پڑھی جاتی ہے"۔ (۲۳)

اسی طرح "یورپ کے صوفی" والے باب میں قدرت اللہ شہاب نے یورپ کے صوفیوں کی ابتدا صوفی عنایت خاں سے کی ہے۔ آپ صوفی عنایت خاں کے حوالے سے درج معلومات کا مطالعہ کریں تو پہلی سطر سے ہی سوانح عمری کا فن عروج پر نظر آتا ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے صوفی عنایت خاں کے والد اور ان کے آبا اجداد کے بارے میں بھی بتایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"صوفی عنایت خاں ۱۸۸۲ء میں بڑودہ میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد رحمت خان پنجاب کے رہنے والے تھے۔ یہ موسیقاروں کا خاندان تھا اور ان کے اجداد میں شیخ جماشاہ ایک صاحب باطن بزرگ بھی گزرے تھے۔ رحمت خان خود بھی اچھے موسیقار تھے۔ خاص طور پر دھر پدراگ میں انھیں استاد مانا جاتا تھا"۔ (۲۴)

مذکورہ بالا اقتباس میں سوانح عمری کے ساتھ ساتھ تذکرے کا بھی شائبہ ہوتا ہے۔ **شہاب نامہ** کئی مقامات پر سوانح عمری معلوم ہوتا ہے۔ قدرت اللہ شہاب اپنی بات کرتے کرتے دوسرے کرداروں پر اتنی مفصل گفتگو کرتے ہیں کہ قدرت اللہ شہاب کی ذات پس منظر میں چلی جاتی ہے۔ تحریر پر آپ بیتی سے زیادہ سوانح عمری کا گمان ہونے لگتا ہے۔ مختار زمن اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"**شہاب نامہ** بڑی دل چسپ کتاب ہے جو شہاب صاحب کی زندگی کی طرح بڑی متنوع، بڑی بھرپور، بڑی حیرت افروز اور بعض مقامات پر بڑی بحث طلب ہے۔ گویہ ایک سوانحی تصنیف ہے لیکن افسانہ نگار مصنف کی طرح افسانے کی طرح دل چسپ ہے"۔ (۲۵)

قدرت اللہ شہاب کا گورنر جنرلوں اور صدور پاکستان کے سیکرٹری ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اپنی ذات کو پس منظر میں ڈال کر گورنر جنرلوں اور صدور پاکستان کی زندگی کا احاطہ کیا جائے مثلاً "گورنر جنرل ملک غلام محمد" والے باب میں قدرت اللہ شہاب نے اپنی ذات سے زیادہ غلام محمد کی شخصیت و کردار کو منظر عام پر لانے کی سعی کی ہے۔ باب کا عنوان بھی "گورنر جنرل ملک غلام محمد" ہے۔ **شہاب نامہ** قدرت اللہ شہاب کی آپ بیتی ہے اس لیے گورنر جنرل ملک غلام محمد کا سرسری ذکر تو جائز اور معقول بات لگتی ہے لیکن اس کے لیے ایک باب مختص کر دینے کا کیا مقصد ہے؟ سکندر مرزا کے عروج و زوال کی معلومات یوں بیان کی ہیں کہ کہیں سے معلوم نہیں ہوتا کہ قدرت

اللہ شہاب اپنی آپ بیتی لکھ رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ سکندر مرزا کی ذات و کردار کو عوام کے سامنے لانے کا فریضہ سرانجام دینا چاہتے ہیں۔ بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔ انھوں نے جنرل ایوب خان کے لیے تقریباً دس ابواب مختص کیے ہیں۔ یہ دس ابواب قدرت اللہ شہاب کی آپ بیتی کم اور ایوب خان کی سوانح عمری زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ اگر قدرت اللہ شہاب ان ابواب میں تھوڑی ترمیم و اضافہ کر دیتے تو یقیناً ایوب خان کی ایک عمدہ سوانح عمری منظر عام پر آ جاتی۔ ان تینوں حضرات کے ساتھ قدرت اللہ شہاب کے تعلق کے باعث شہاب نامہ میں ذکر ہونا ضروری تھا لیکن اتنا مفصل بیان کہ شہاب نامہ آپ بیتی کے فنی معیار سے پست نظر آنے لگے۔ قدرت اللہ شہاب کو پاکستانی سیاست، سیاسی کارروائیوں اور سیاست دانوں کو عوام کے سامنے لانے کا اتنا شوق تھا تو انھیں چاہیے تھا کہ شہاب نامہ میں ان امور کا سرسری ذکر کرتے اور مفصل ذکر کرنے کے لیے کسی اور کتاب کا سہارا لیتے یوں آپ بیتی پاکستانی سیاست کا روپ نہ دھارتی۔ اگر ہم غلام محمد، سکندر مرزا اور ایوب خان کی جملہ کارروائیوں پر روشنی ڈالیں جو شہاب نامہ میں شامل ہیں تو موضوع کسی اور طرف نکل جائے گا۔ ہمارا مقصد صرف آپ بیتی میں سوانح عمری کے عناصر کی نشان دہی کرنا تھا، غلام محمد، سکندر مرزا اور ایوب خان کی زندگی نامہ بیان کرنا نہیں۔ آپ بیتی کے لیے موضوع کے انتخاب کی اس طرح ضرورت نہیں ہوتی جس طرح فکشن، سوانح، خاکہ اور تاریخ میں ہوتی ہے۔ متعدد مقامات پر معلوم ہوتا ہے کہ قدرت اللہ شہاب نے اس باب کا عنوان سوچ کر منتخب کیا ہے۔ ان کے پاس کہنے کے لیے بہت کچھ تھا لیکن وہ ایک باب ختم کر کے یوں دوسرا باب شروع کرتے ہیں جیسے ایک وقت میں مختلف تصاویر دکھا رہے ہیں۔ شہاب نامہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت منظر عام پر آنے والی کتاب معلوم ہوتی ہے جس میں مصنف نے موضوع کا انتخاب اپنی منشا سے کیا ہے۔ اس بات کی دلیل میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ بیتی اپنی ذات، کردار اور حیات کو کھول کر بیان کرنا ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے اپنی ذات سے زیادہ دوسروں (غلام محمد، سکندر مرزا، ایوب خان) کو موضوع بنایا ہے حالاں کہ آپ بیتی اس امر کی تقاضا نہیں کرتی۔

شہاب نامہ تاریخ نگاری کا پرتَو نظر آتا ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے متعدد مقامات پر تاریخ نگاری سے کام لیا ہے۔ اپنے عہد کی تصویر پیش کرتے ہوئے وہ گزشتہ عہد کی تصویر بھی نمایاں کرتے جاتے ہیں۔ شخصیات کے کارناموں اور ناکامیوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ تاریخ نگاری میں فرد کے بجائے افراد کی بات ہوتی ہے۔ آپ بیتی میں بھی دیگر کردار اہمیت کے حامل ہوتے ہیں کیوں کہ ان کرداروں سے آپ بیتی نگار کا براہِ راست واسطہ رہا ہوتا ہے۔ ایسا تو نہیں ہے کہ وہ خلا میں زندگی بسر کرتا ہے، اسے نجی اور عملی زندگی میں بیشتر اہم شخصیات سے ملنے کا موقع ملتا ہے اس لیے آپ بیتی میں ان شخصیات کا برمحل استعمال آپ بیتی کے حسن میں اضافے کا باعث بنتا ہے لیکن اگر آپ بیتی نگار اپنی ذات کے بجائے دیگر شخصیات کے کارناموں اور ناکامیوں پر بات شروع کر دے، ان کی شخصیت کو سامنے لانے کے لیے صرف کردار کشی نہ کرے بل کہ فتوحات بھی بیان کر دے تو آپ بیتی تاریخ بن جائے گی۔ قدرت اللہ شہاب نے بھی شہاب نامہ میں اسی تکنیک کو بروئے کار لانے کی سعی کی ہے جس کے باعث شہاب نامہ تاریخی دستاویز کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ شہاب نامہ کے ابتدائی ابواب میں قدرت اللہ شہاب

کی ذات نمایاں ہے لیکن جہاں کہیں شہاب کو موقع ملا ، انھوں نے ان ابواب میں ہندو، مسلم اور سکھوں وغیرہ کے تذکرے سے تاریخی حوالہ بھی درج کر دیا۔ اپنی زندگی نامہ بیان کرتے ہوئے پاکستان نامہ ترتیب دیا ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے دوسرے باب '' ننده بس سروس'' میں جموں سے سری نگر کے سفر کی روداد کے ساتھ ساتھ کشمیری مسلمانوں کی حالت زار بھی بیان کی ہے۔ اب دیکھا جائے تو سری نگر کے سفر میں کشمیری مسلمانوں کا ذکر نہ بھی کرتے تو کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ کشمیری مسلمانوں کی ستم ظریفی کا المیہ اگر **شہاب نامہ** کا حصّہ نہ بنتا تو آج کا نوجوان مسلمان گزشتہ عہد میں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے ظلم و زیادتی اور محتاجی کا اندازہ نہ لگا سکتا۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو قدرت اللہ شہاب نے آئندہ نسل کو گزشتہ عہد کے مسلمانوں کی تصویر دکھائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> '' سڑک پر تاحدِ نظر تتر بتر انسانوں کی لائن ہی لائن لگی ہوئی تھی ۔ میلے میلے، بھورے بھورے پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس خمیدہ کمر لوگ دو دو تین تین من وزن پیٹھ پر اٹھائے رینگ رینگ کر چڑھائی چڑھ رہے تھے جیسے دیوار پر چیونٹیوں کی بے ترتیب قطاریں چل رہی ہوں۔ انھوں نے خشک گھاس کے بنے ہوئے چپل پہنے ہوئے تھے اور ان کے تمتماتے ہوئے چہرے پسینے میں شرابور تھے۔ یہ کشمیری مسلمانوں کی قومِ نجیب و چرب دست و تر دماغ کے نمائندے تھے جنھیں عرفِ عام میں'' ہاتو'' کہا جاتا تھا''۔(۲۶)

مذکورہ بالا اقتباس سے حاصل ہونے والی معلومات (کشمیری مسلمانوں کی بدحالی کی داستان) کہیں اور سے ملنا مشکل ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے صرف اتنے پر ہی اکتفا نہیں کیا، انھوں نے کشمیری مسلمانوں کے معاشی نظام حیات کو بھی موضوع بنایا ہے۔ کشمیری مسلمانوں پر ڈوگرہ راج کی ظلم وستم کی داستان رقم کی ہے۔ کشمیری مسلمانوں کی معاشرتی بے بسی کو بے نقاب کرنے کے لیے حضرت آدمؑ کے عہد کا حوالہ بھی دیا ہے۔ یہ وہ واقعات ہیں جہاں ہمیں کشمیری مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی سے آگاہی ہوتی ہے لیکن آپ بیتی کا فن مجروح ہوتا ہے اور تاریخ نگاری کا رنگ اُبھرتا ہے۔ قدرت اللہ شہاب، کشمیری مسلمانوں کے معاشی نظام کے حوالے سے بتاتے ہیں:

> '' حضرت آدمؑ تو دانہ گندم کی پاداش میں خلد سے نکلے تھے لیکن ڈوگرہ راج میں کشمیری مسلمان دانہ گندم کی تلاش میں اپنی جنتِ ارضی سے نکلنے پر مجبور تھا۔ سردیاں آتے ہی وہ گلمرگ ، گاندھربل، اچھابل، تراگ بل، باڈی پور اور پان پور کے کوہساروں اور مرغ زاروں سے نکل کر پنجاب کی دور دراز منڈیوں میں پھیل جاتے تھے۔ دن بھر غلے اور لوہے اور کپڑے کی بار برداری کرتے ہیں۔ بسوں اور ٹانگوں کے اڈوں پر سامان ڈھوتے تھے۔ لکڑی کے ٹالوں پر لکڑیاں پھاڑتے تھے اور شام کو مرغی کے بچوں کی طرح چھوٹے چھوٹے گروہوں میں اکٹھے بیٹھ کر چاول اُبال لیتے تھے۔ خشکہ رات کو کھا کر کھلے آسمان تلے سو رہتے تھے اور صبح اُٹھ کر رات کی بچی ہوئی پیچھ میں نمک ملا کر دن کا کھانا بنا لیتے تھے۔ اس طرح خون پسینہ ایک کر کے گرمیوں میں جب وہ کچھ نقدی بچا کر اور دوڈھائی من سامان پیٹھ پر لاد کر اپنی جنت گم گشتہ کی

طرف واپس لوٹتے تھے‘‘۔ (۲۷)

قدرت اللہ شہاب نے **شہاب نامہ** کے باب ’’صاحب، بنیا اور میں‘‘ میں تاریخ نگاری کے عناصر کو اجاگر کیا ہے۔ ابتدا میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا ذکر تاریخی حوالے سے اہم ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے ایسٹ انڈیا کمپنی انگریز اور بنیے کی کردار نگاری کے لیے تقریباً نو دس صفحات مخصوص کیے ہیں، اس کے بعد قدرت اللہ شہاب کا ذکر خیر آتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ **شہاب نامہ** تاریخی حوالے سے اہم کتاب سمجھی جا سکتی ہے۔ قدرت اللہ شہاب بھاگلپور میں اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے تو ان پر انکشاف ہوا کہ ضلعی انتظامیہ کے افسران اعلیٰ کو اپنے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا۔ انھیں اپنے دائرے سے باہر کسی سے کوئی سروکار نہیں۔ پھر قدرت اللہ شہاب کو نتھ نگر کا سپیشل مجسٹریٹ مقرر کیا گیا اور انھیں سلک فیکٹری کی تعمیر میں آنے والی رکاوٹیں دور کرنے کا حکم دیا گیا۔ قدرت اللہ شہاب نے نتھ نگر میں مسلمانوں کو خوف وہراس میں مبتلا پایا۔ انھوں نے اس خوف کی وجہ دریافت کرنے کی کوشش کی۔ کسی نے شہاب کو اصل وجہ نہ بتائی۔ بیرسٹر نورالحسن کے توسط قدرت اللہ شہاب کو معلوم ہوا کہ نئی فیکٹری کی تعمیر پر ہندو مسلم فساد ہوتا ہے۔ قدرت اللہ شہاب کو اس ہندو مسلم فساد کو ختم کرنے کی کوشش میں نتھ نگر کے چارج سے سبک دوش ہونا پڑا۔ ’’بھاگلپو اور ہندو مسلم فسادات‘‘ میں بھاگلپور اور نتھ نگر میں رواج پانے والے ہندو مسلم فسادات کو قدرت اللہ شہاب نے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جو تاریخی حوالے سے اہم ہے‘‘۔ نندی گرام اور لارڈ ویول‘ والا باب بھی تاریخی سند کا درجہ رکھتا ہے، اس میں قدرت اللہ شہاب نے بنگال میں قحط سالی کی حالت کو قلم بند کیا ہے۔ سہسرام ریلوے اسٹیشن پر کلکتہ سے آنے والے بھوکے پیاسے مسافروں کو دیکھ کر قدرت اللہ شہاب کو سہسرام میں آرام سے بیٹھ کر کام کرنا معیوب لگا اور انھوں نے بنگال کی خدمت کرنے کو ترجیح دی۔ اس باب میں شہاب کی عملی زندگی کے واقعات سے زیادہ بنگال میں قحط سالی اور سیلاب زدگی میں آنے والوں کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ وہ لوگ اقتصادی بدحالی کا شکار تھے۔ قدرت اللہ شہاب کی زبانی ان متاثرہ لوگوں کی اقتصادی بدحالی کی داستان سنیے:

> ’’وہ نالیوں میں تیرتے ہوئے مونگ پھلی کے چھلکوں اور گوبھی کے پتوں کو نکال کر کھاتے تھے۔ وہ گندگی کے ڈھیروں کو کُرید کُرید کر اپنا پیٹ بھرنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ کارپوریشن کی کوڑے کرکٹ والی گاڑی پر چیلوں کی طرح جھپٹتے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے لڑتے تھے۔ منہ نوچتے تھے...... بال کھینچتے تھے...... ان کی لڑائی کتوں سے ہوتی تھی اور جب وہ نڈھال ہو کر سڑک کے درمیان گر جاتے تھے تو لال پگڑی والے سپاہیوں کا دستہ انھیں ٹانگوں سے گھسیٹ کر ایک طرف کنارے لگا دیتا تھا تاکہ سڑک پر چلنے والے سُبک رفتار ٹریفک کی آمدورفت میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو‘‘۔ (۲۸)

مذکورہ بالا اقتباس سے بنگال میں قحط اور سیلاب سے آنی والی تباہ کاریوں کا بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس سے معاشرتی نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ لوگ اپنا پیٹ بھرنے کے لیے جانوروں سے بدتر خوراک کھانے پر

مجبور تھے۔تملوک کے علاقے نندی گرام کو طوفان نے اپنی زد میں لے لیا۔قدرت اللہ شہاب کا تبادلہ تملوک ہو گیا تھا اس لیے قدرت اللہ شہاب نے تباہی اور بربادی کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے۔حکومت نے ان لوگوں کے لیے آٹھ غریب خانے قائم کر دیے تھے جن کے ذمے متاثرہ افراد کو رہائش اور اشیا خورد و نوش فراہم کرنا تھا۔غریب خانے میں خوراک کا ذخیرہ افراد سے زیادہ ہوتا تھا لیکن غریب خانے کا عملہ حکومت سے فالتوں راشن وصول کر کے اسے مہنگے داموں بیچ کر منافع کماتا۔غریب خانے کے مکینوں کو ان کی ضرورت سے نصف خوراک مہیا کی جاتی۔ غریب خانے میں روزانہ چائے ،چینی اوردودھ فراہم کیا جاتا تھا لیکن لوگ اس نعمت سے محروم تھے۔غریب خانے کا عملہ جس روز کسی افسر نے آنا ہوتا ، اس دن یہ اشیا ضرورت مندوں میں تقسیم کرتا ورنہ روزانہ کا کوئی حساب نہ ہوتا۔ غریب خانے کا حال قدرت اللہ شہاب نے یوں بیان کیا ہے:

> ''بچوں اور بوڑھوں کو تو اُن کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تھا لیکن سپروائزر سے لے کر سٹور کلرک، اکاؤنٹ کلرک، باورچی، سقہ، مہترسب اپنی اپنی توفیق کے مطابق جوان عورتوں کی پذیرائی میں منہمک ہو جاتے تھے۔کوئی انھیں چوری چوری خوشبودار صابن کی ٹکیاں دیتا تھا، کوئی دوودھ کا ڈبہ، کوئی بسکٹ ، کوئی سگریٹ ، کوئی وٹامن کی گولیاں ___ غریب خانہ ہو یا راحیل خونڈ کر کی جھونپڑی ، بھوک کی منڈی میں جسم ، جاں اور جنس کا ایک ہی ریٹ تھا''۔(۲۹)

مذکورہ بالا اقتباس کا مطالعہ قدرت اللہ شہاب کے افسانے'' غریب خانہ'' اور ناولٹ'' یا خدا'' کی یاد دلاتا ہے۔جس میں عورت کا جنسی استحصال کیا جاتا ہے۔ برہام پور گنجم میں ایس ڈی او اور ساور ایجنسی میں سب ایجنٹ ٹو گورنر کے طور پر خدمات سرانجام دیتے ہوئے قدرت اللہ شہاب نے برہام پور گنجم اور ساورا ایجنسی کے حوالے سے تاریخی شواہد کی نشان دہی کرتے ہیں۔ برہام پور گنجم کی ہندوانہ معاشرت کی جھلکیاں دکھاتے ہیں وہاں کے مولوی صاحب کا طرز عمل بتاتے ہیں۔ساورا قوم کے حوالے سے قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں:

> ''ان کی اپنی زبان تھی، اپنا لباس تھا اور اپنی الگ طرزِ معاشرت تھی۔مرد صرف لنگوٹی باندھتے تھے،عورتیں کمرے سے گھٹنوں تک کپڑا لپیٹی تھیں اور بچے بالکل ننگ دھڑنگ رہتے تھے۔جَو کی روٹی اور شکار کے گوشت پر ان کا گزارہ تھا اور پینے کے لیے وہ وسیع پیمانے پر جَو کی شراب کشید کرتے تھے۔ان پراچین لوگوں میں نہ جھوٹ بولنے کی عادت تھی، نہ چوری کا رواج تھا، نہ ڈاکہ زنی کا ، نہ دھوکہ اور فریب کا۔ان کی لڑائیاں فقط زن اور زمین پر ہوتی تھیں۔زرا بھی ان کی زندگی پر مسلط نہیں ہوا تھا کیوں کہ ان کا معاشی نظام چیز کے بدلے چیز کے لین دین پر مبنی تھا''۔(۳۰)

شہاب نامہ کے ابواب'' پاکستان کا مطلب کیا''، '' سادگی مسلم کی دیکھ''، '' کراچی کی طوطا کہانی''، '' آزاد کشمیر''، '' صلہ شہید''، اور'' پاکستان کا مستقبل'' میں تاریخی حقائق کی بہ آسانی نشان دہی کی جاسکتی ہے۔ان تمام ابواب میں آپ بیتی کے حوالے سے مواد معمولی ہے۔دیگر حضرات اور تاریخ پاکستان کے حوالے سے خاطر خواہ مواد

فراہم ہوتا ہے یوں **شہاب نامہ** میں تاریخ پاکستان کا منظر نامہ اُبھرتا ہے۔ اسی طرح قدرت اللہ شہاب نے ہالینڈ میں قیام کے دوران ڈچ قوم کا جو روپ پیش کیا ہے وہ تاریخ نگاری کا عمدہ نمونہ ہے۔ ڈچ قوم کے حوالے قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں:

> ''یہ جفا کش قوم سمندر کی تہہ سے زمین نکال نکال کر بڑی خوب صورت تازہ بستیاں آباد کرتی ہے۔ پھولوں کی بہترین اقسام اس سرزمین پر اُگتی ہیں۔ دنیا کے کئی عظیم فن کا راس قوم کی آغوش میں پلے ہیں۔ یہاں کے میوزیم آرٹ اورفن کا بے مثال گہوارہ ہیں۔ قدرتی مناظر کو ان کی اصلی صورت میں برقرار رکھنے کے لیے بڑے بڑے محکمے قائم ہیں۔ جنگلات میں ایک ایک درخت کی فائل بنی ہوئی ہے۔ پون چکیوں کی دیکھ بھال کا منظّم انتظام ہے۔ بازاروں میں کتابوں کی دکانوں کی نمایاں بہتات ہے۔ دنیا کے کسی حصے میں کوئی مشہور کتاب شایع ہوتو وہ فی الفور ڈچ زبان میں ترجمہ ہوکر مارکیٹ میں آجاتی ہے۔ کتابیں خریدنے کا اس قوم کو شوق بھی ہے اور شعور بھی ہے۔ ثقافتی روایات اور اقدار اس کی ریڑھ کی ہڈی ہیں لیکن مزاجاً یہ لوگ سرد مہر، کم آمیز اور دیر آشنا ہیں اور ذہن ان کا بغیر کسی آمیزش کے خالصتاً تاجرانہ ہے۔ دولت کمانے میں وہ کسی قدر سفاک اور خرچ کرنے میں حد درجہ محتاط ہیں''۔ (۳۱)

شہاب نامہ میں بعض ابواب ایسے ہیں جن میں قدرت اللہ شہاب کی ذات کے حوالے سے مواد پس منظر کا حصّہ بن جاتا ہے اور دیگر اشخاص کا کردار اُبھر کر سامنے آجاتا ہے۔ ''گورنر جنرل ملک غلام محمد'' اور'' سکندر مرزا کا عروج و زوال'' دونوں میں قدرت اللہ شہاب کی ذات کم اور باقی دونوں اشخاص کی ذات زیادہ نمایاں ہوتی ہے۔ ایوب خان کے حوالے سے تقریباً نو دس باب مخصوص کیے گئے ہیں۔ قدرت اللہ شہاب نے اپنے نام سے تو کوئی باب نہیں لکھا لیکن ان حضرات کے نام سے اتنے ابواب شامل کرنے کا کیا جواز بنتا ہے۔ ایوب خان کا اتنا مفصل تبصرہ سوانح نگاری کے بنیادی عناصر کی جھلک دکھاتا ہے۔ اب ان سب ابواب کا مطالعہ کریں تو اچھے خاصے ابواب ایسے ہیں جن میں قدرت اللہ شہاب نے تاریخ نگاری سے کام لیا ہے یوں **شہاب نامہ** آپ بیتی کے ساتھ ساتھ تاریخ کی کتاب بھی معلوم ہوتا ہے۔ گورنر جنرل ملک غلام محمد کے حوالے مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ کریں جس میں قدرت اللہ شہاب نے بڑی بے باکی اور جرات مندی سے گورنر جنرل ملک غلام محمد کا کردار اور پاکستان کی بدقسمتی کا قصہ بیان کیا ہے:

> ''گورنر جنرل کی حیثیت سے مسٹر غلام محمد کا دور پاکستان کے لیے بدشگونی کا زمانہ تھا۔ جمہوری روایات اور اقدار کے بے دریغ پامالی کا سلسلہ ان کے ہاتھوں شروع ہوا۔ اسی کے ساتھ نظامِ سلطنت میں'' قانونِ ضرورت'' کے عمل دخل کی ابتدا ہوئی۔ حکومت میں شخصیت پرستی نے فروغ پایا۔ مشرقی پاکستان کی سیاست نے واضح طور پر ایک الگ رُخ اختیار کیا لیکن مرکزی قیادت نوکر شاہی کے پٹے پٹائے نو آبادیاتی فارمولوں میں پا بجولاں رہی۔ برّی افواج کے

کمانڈر انچیف نے اپنے عہدہ کے ساتھ وزیر دفاع کی خدمت شامل کر کے کابینہ میں شرکت حاصل کی اور اس طرح حکومت کے اندرونی کاروبار کی ٹریننگ حاصل کر کے مستقبل کے لیے اپنے عزائم کو پختہ کر لیا۔ اس دور کی مجموعی خصوصیت بے ثباتی، بے یقینی، بے اعتمادی اور بدنیتی تھی''۔(۳۲)

''سکندر مرزا کا عروج و زوال'' والے باب میں قدرت اللہ شہاب نے سکندر مرزا کے ہمراہ استنبول کے سفر کی روداد بیان کی ہے، اس باب میں انھوں نے ترکی کی تاریخ بیان کی ہے۔ استنبول میں قدرت اللہ شہاب کو محمد امام مرحوم کی قبر پر جانے کا اتفاق ہوا۔ محمد امام مرحوم کی فتوحات کے بیان میں تاریخ نگاری کے امکانات پائے جاتے ہیں۔ قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں:

''استنبول میں ایک صاحب مجھے محمد امام مرحوم کی قبر پر بھی لے گئے۔ مرحوم محمد امام اس وفد کے ساتھ استنبول آئے تھے جو سلطان ٹیپو نے ۱۷۸۷ء میں ترکی کے سلطان عبدالحمید خان اوّل کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اس وفد کے ہمراہ سید غلام علی تھے جو سلطان ٹیپو کی جانب سے کچھ خطوط اور تحائف بھی لایا تھا۔ وفد کا مقصد سلطنتِ عثمانیہ کے ساتھ انگریزوں کے خلاف اتحاد کرنا تھا جو بہ وجوہ پورا نہ ہو سکا۔ یہ خطوط آج تک استنبول میں صدارت عظمیٰ کی Archives میں محفوظ ہیں''۔(۳۳)

قدرت اللہ شہاب نے **شہاب نامہ** کو آپ بیتی کا نام دیا ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ **شہاب نامہ** آپ بیتی ہے لیکن **شہاب نامہ** کو صرف آپ بیتی کہنا بھی درست نہیں۔ **شہاب نامہ** میں قدرت اللہ شہاب نے آپ بیتی کے فنی مباحث کے علاوہ فکشن، خاکہ، سوانح نگاری اور تاریخ کے فنی مباحث سے بھی استفادہ کیا ہے یہی وجہ ہے کہ فکشن کے قاری کے لیے بھی دل چسپ کتاب ہے۔ سوانح نگاری کے چند عناصر بھی ابھرتے ہیں، خاکے کے عمدہ نمونے بھی جلوہ گر ہوتے ہیں اور تاریخی حوالے سے بھی بیش بہا مواد دست یاب ہے۔ ہاں البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اتنی اصناف کی موجودگی سے آپ بیتی کا حسن مجروح ہوا ہے لیکن اس کے باوجود **شہاب نامہ** اشاعت سے لے کر اب تک بحث و تنقید کا باعث بنا ہوا ہے اور مستقبل میں بھی اس بحث کے ختم ہونے کے امکانات نہیں نظر آتے۔

تحقیق کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قدرت اللہ شہاب نے **شہاب نامہ** میں فکشن کے عناصر سے کام لیا ہے، فکشن کی خوبیوں کا بڑی خوب صورتی سے استعمال کیا ہے، فکشن کی خامیوں سے اجتناب برتا ہے۔ خشک، سنجیدہ اور ثقیل موضوع اور بے ترتیب مواد فکشن کے فن کو متاثر کرتا ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے فکشن کی ان خامیوں سے بچتے ہوئے فکشن کی خوبیوں کو نمایاں کیا ہے۔ خاکہ نگاری میں داخلی اور خارجی دونوں رجحانات سے استفادہ کیا ہے، سوانح نگاری کے پہلوؤں میں حقیقت اور غیر جانب دارانہ رویے، موضوع سے مطابقت، مواد کے عمدہ ذخائر کو بروئے کار لاتے ہوئے اصل تصویر کی عکاسی اور حقائق کی تصدیق کرنے کی کوشش کی ہے۔ کام یاب سوانح نگاری

زندگی سے موت تک کا بیان ہوتی ہے، **شہاب نامہ** سوانح نگاری کی اس شرط پر پورا نہیں اترتا۔ قدرت اللہ شہاب نے جہاں سوانح نگار کا روپ دھارا ہے وہاں واحد غائب کا صیغہ اختیار کیا ہے، آپ بیتی کے لیے واحد متکلم کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ **شہاب نامہ** میں ''میں'' کی کمی محسوس کی جاتی ہے۔ اس بات کی تائید میں ممتاز مفتی کی رائے یہ ہے:

> '' **شہاب نامہ** خود نوشت نہیں ہے وہ اس لیے کہ شہاب نے ''مَیں'' کو اتنا زیادہ Avoid کیا ہے کہ بس کچھ نہ پوچھیں ۔ جہاں ''مَیں'' کا ذکر آ گیا وہاں اسے پسینہ آ گیا۔ آج تک میں نے کوئی خود نوشت ایسی نہیں دیکھی جس میں لکھنے والے نے '' میں'' کی بات سے دامن بچایا ہو۔ وہ مَیں کی بات برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا''۔(۳۴)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ **شہاب نامہ** میں سوانح نگاری کے امکانات پائے ہیں، سوانح نگاری کے فن نے تحریر میں جان پیدا کر دی ہے۔ تاریخی حوالے سے جائزہ لیں تو **شہاب نامہ** کی وقعت دو چند ہو جاتی ہے۔ پاکستان کی تاریخ اور پاکستانی سیاست کا مفصل بیان اسے تاریخ نگاری کے زمرے میں لاتا ہے۔ **شہاب نامہ** فرد واحد کے بجائے افراد، عہد اور قوم کی داستان معلوم ہوتا ہے۔ متعدد حضرات کے کارناموں اور ناکامیوں پر شہاب نے اپنے ذاتی تاثرات اور تبصرے شامل کیے ہیں۔ **شہاب نامہ** کے مطالعہ و تجزیہ سے ملک کی معاشرتی، سیاسی، اقتصادی، فکری اور معاشی صورتِ حال سامنے آتی ہے۔ کام یاب آپ بیتی کے لیے ان تمام پہلوؤں کا شامل ہونا ضروری ہے کیوں کہ قاری کو آپ بیتی پڑھ کر اس شخص کے عہد میں رائج نظام زندگی سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ کام یاب اور مکمل آپ بیتی کے لیے شخص جس عہد میں سانس لے رہا ہو، اسے منظر عام پر لانا ضروری ہے۔ **شہاب نامہ** میں قدرت اللہ شہاب کے ساتھ پورا عہد جتیا جاگتا محسوس ہوتا ہے۔ اسی بنا پر **شہاب نامہ** آپ بیتی کے ساتھ ساتھ تاریخی دستاویز کا درجہ بھی اختیار کر گیا ہے۔ اس تمام بحث کا اختتام ہم قدرت اللہ شہاب کے اپنے بیان پر کرتے ہیں:

> '' بچپن سے لے کر اب تک جو واقعات میں نے دیکھے ہیں ضروری نہیں کہ وہ واقعات سب کو متاثر کریں لیکن جنھوں نے مجھے متاثر کیا، میں انھیں لکھ رہا ہوں۔ اس کتاب کا تعلق تاریخ سے نہ ہوگا۔ یہ شاید ناول بھی نہ ہو، پتا نہیں ، یہ سوانح عمری بن پائے گی یا نہیں۔ یہ ملی جلی تحریر ہوگی''۔(۳۵)

حوالہ جات:

(۱) رشید امجد، ''شہاب نامہ___ایک گفتگو'' مشمولہ **ذکر شہاب** از اشفاق احمد (مرتب) لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص۱۵۳، ۱۵۴

(۲) قدرت اللہ شہاب، **شہاب نامہ**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، تیرہواں ایڈیشن، ۱۹۹۴ء، ص۳۳

(۳) ایضاً ، ص۲۶، ۲۷

(۴) ایضاً ، ص۱۳۷

(۵) ایضاً ، ص۱۸۷

(۶) ایضاً ، ص۲۴

(۷) ایضاً ، ص۱۲۴، ۱۲۵

(۸) ایضاً ، ص۴۸۷

(۹) ایضاً ، ص۱۳۵

(۱۰) ناصر عباس نیر، **جدیدیت سے پس جدیدیت تک**، ملتان: کاروان ادب، ۲۰۰۰ء، ص۱۳۲

(۱۱) قدرت اللہ شہاب، **شہاب نامہ**، ص۴۳

(۱۲) ایضاً ، ص۲۴۶

(۱۳) ایضاً ، ص۴۵۶

(۱۴) فریدہ نذیر، پروفیسر، **قدرت اللہ شہاب – زندگی اور ادب**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء، ص۳۳۴

(۱۵) مشفق خواجہ مشمولہ ہفت روزہ **تکبیر**، ۱۷ستمبر ۱۹۸۷ء، ص۴۸

(۱۶) قدرت اللہ شہاب، **شہاب نامہ**، ص۱۱۰

(۱۷) ایضاً ، ص۱۶۸، ۱۶۹

(۱۸) ایضاً ، ص۲۰۲

(۱۹) ایضاً ، ص۳۵۶

(۲۰) ایضاً ، ص۳۵۷

(۲۱) ایضاً ، ص۵۹۹

(۲۲) ایضاً ، ص۴۰۷

(۲۳) ایضاً ، ص ۲۹۶

(۲۴) ایضاً ، ص۵۵۷

(۲۵) مختار زمن، خوش درخشید مشمولہ **ذکر شہاب** از اشفاق احمد (مرتب)، ص۲۹

(۲۶) قدرت اللہ شہاب، **شہاب نامہ**، ص۴۴

(۲۷) ایضاً ، ص۲۶، ۳۷

(۲۸) ایضاً ، ص۲۲۳

(۲۹) ایضاً ، ص۲۳۲

(۳۰) ایضاً ، ص۲۴۲

(۳۱) ایضاً ، ص۵۴۶،۵۴۷

(۳۲) ایضاً ، ص۶۷۳

(۳۳) ایضاً ، ص۷۰۶

(۳۴) رفیق ڈوگر، **ادبی ملاقاتیں**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء، ص ۸۵

(۳۵) طاہر مسعود، ڈاکٹر، **یہ صورت گر کچھ خوابوں کے**، کراچی: اکادمی بازیافت، تیسری اشاعت، ۲۰۰۷ء ص۱۰۶